فیض احمد فیضؔ کی حبسیہ شاعری کا معنویاتی نظام

رحمت علی شاد

ABSTRACT:

Poetry of Faiz Ahmad Faiz has all the qualities of great and sublime poetry. The poetry he created during his imprisonment was an impressive synthesis of effects of classical and contemporary poetry. The poetry produced in prison evolved in such a way that 'Nazm' and 'Ghazal' came closer to each other. Like love, prison proved to be a kind of grand experience for Faiz which provoked new thoughts. The poetry produced during days of his imprisonment forms almost two third part of his whole work. He used poetic diction, similes, metaphors and other poetic elements with addition of new meanings to them. His work depicts the troubles of imprisonment and it expressed the strong spirit of patriotism too. In his poetry the subjects related to social and political life are reflected through portrayal of human feelings and passions. Description of love and other incidents of life are also part and parcel of his poetry.

Key Words:

Faiz Ahmad Faiz , Prison Poetry, Human Passion, Meaning System

ظلم وستم کے خلاف احتجاج اوراپنے ردِعمل کو ظاہر کرنا ہمیشہ انسانی فطرت میں شامل رہا ہے۔شخصی حکومتوں نے استحصال کا جو رویہ اختیار کیے رکھا یا موجودہ دور میں سیاسی حکومتیں جس طرزِعمل کو اختیار کیے ہوئے ہیں، اس کے ڈانڈے بھی استعماری حربوں کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ظلم وستم کے خلاف احتجاج کرنے والے افراد کو استعماری قوتیں قید و بند کی صعوبتو ں میں ڈال کر یہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک بڑی کامیابی سے ہم کنار ہو چکی ہیں۔ قید و بند میں پڑے ہوئے افراد اگر تخلیق کار ہیں تو وہ اپنا ردِعمل تلوار کے ذ ریعے نہ سہی، قلم کے ذریعے ضرور کریں گیعنی کسی

بھی شخص کے جسم کو تو پابندِ سلاسل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے جذبات و احساسات پر ہرگز پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔ بقول فیضؔ:

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

ظلم و استحصال کا دوٹوک انداز میں پردہ فاش کرنے والے اور اس دورِ پرآشوب سے ہم آہنگ فیضؔ کا کلام بھی اعلیٰ شاعری کی خصوصیات سے متصف ہے۔ ہمارا موضوع فیضؔ کا تمام کلام نہیں بل کہ ہم یہاں صرف ان کے ''حبسیہ کلام'' پر ہی بات کریں گے۔ سب سے پہلے ان کی قید کے متعلق کہ فیض احمد فیضؔ ۹ مارچ ۱۹۵۱ء کو قید ہوئے اور اپریل ۱۹۵۵ء میں رہا ہوئے۔ اس طرح ان کی اسیری کی مدت کم و بیش چار سال بنتی ہے۔ اس عرصہ میں وہ پہلے تین ماہ سرگودھا اور فیصل آباد کی جیلوں میں قیدِ تنہائی میں رہے، اس کے بعد جولائی ۱۹۵۳ء تک حیدر آباد (سندھ) جیل میں، راولپنڈی سازش کیس میں باقی اسیروں کے ساتھ رہے۔ فیض احمد فیضؔ کی اسیری اور ان کے حبسیہ کلام کے متعلق ڈاکٹر لدمیلا وسیلیوا اپنی کتاب پرورشِ لوح و قلم: فیضؔ: حیات اور تخلیقات میں رقم طراز ہیں:

> ''فیض احمد فیضؔ کی اسیری کے چار برس کے اندر ان کے دو مجموعے شائع ہوئے۔ قید خانے میں جتنے اشعار لکھے گئے ہیں، ان کی تعداد فیض کی ساری زندگی کے پورے کلام کے تقریباً دو تہائی کے برابر ہے۔ قید کے پہلے دنوں میں اپنے اشعار وہ اخبار کے کسی ٹکڑے پر لکھ لیتے جو لپیٹنے کے لیے کاغذ (اخباری ردی) کی شکل میں اتفاقاً ان کی کوٹھڑی میں نمودار ہو جاتا تھا۔ اس طرح فیضؔ دیا سلائی کی ڈبیا توڑ کر یا سگریٹ کا پیکٹ پھاڑ کر اپنے لیے لوح مہیا کرتے تھے اور قلم کا کام دیتا تھا پنسل کا بچا ہوا ٹکڑا، جو فیضؔ کی شاعری کے دلدادہ جیلر نے ان کو چوری چوری پہنچایا تھا۔''[۱]

اسیری کے دور کی فیض کی شاعری میں کلاسیکی اور عصری شاعری کے اثرات کا نہایت خوشگوار امتزاج پوری وضاحت کے ساتھ منظر عام پر ہے۔ اسیری کے دوران لکھے گئے دو شعری مجموعے دستِ صبا اور زنداں نامہ ہیں۔ حبسیہ ؟ شاعری کا ارتقا کچھ یوں ہوا کہ نظم، غزل کی طرف بڑھی اور غزل، نظم کی طرف۔ دستِ صبا اور زنداں نامہ پر رائے ملاحظہ فرمائیں:

> ''نقشِ فریادی کے بعد کی دو کتابیں دستِ صبا اور زنداں نامہ جیل خانہ کی یادگار ہیں۔ بنیادی طور پر تو یہ تحریریں انھی ذہنی محسوسات اور معمولات سے منسلک ہیں جن کا سلسلہ 'مجھ سے پہلی سی محبت' سے شروع ہوا تھا لیکن جیل خانہ عاشقی کی طرح خود ایک بنیادی تجربہ ہے؛ جس میں فکر و نظر کا ایک آدھ نیا دریچہ خود بہ خود کھل جاتا ہے۔''[۲]

دستِ صبا فیض نے ایلس (کلثوم) کی نذر کیا۔ زنداں نامہ اسیری کے کلام پر مشتمل دوسرا مجموعہ کسی کے نام منسوب نہیں۔ اس کے بارے میں یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ خود شاعر اس مجموعہ کو دستِ صبا کا سلسلہ اور اپنی حبسیات کی مزید

قسط سمجھتے تھے۔ اس حبسیات میں غزل کو بطور صنف اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ زیرِ نظر دونوں مجموعوں میں شامل تخلیقات کی کل تعداد (۷۵) ہے۔ دستِ صبا میں (۴۲) اور زندان نامہ میں (۳۳)، جن میں سے (۳۲) غزلیں ہیں۔ (۱۶ پہلی کتاب میں اور ۱۶ دوسری میں)، ۱۲ قطعات (۶ اور ۶) اور نظموں کی تعداد ہے ۳۱۔ (۲۰ اور ۱۱)۔

دونوں مجموعوں کی غزلوں میں فیضؔ کی پوری شاعری کے سب اہم ترین مضامین موجود ہیں۔ بعد کے کلام میں شاعر نے خاص طور سے انھی موضوعات کو آگے بڑھایا اور مضامین کو مزید وسعت اور گہرائی عطا کی۔ اس سلسلے میں سلمیٰ صدیقی لکھتی ہیں:

> ''اسیری کے برسوں میں فیضؔ کی شاعری کا معنویاتی نظام بنیادی طور پر بن چکا تھا۔ فیضؔ نے اپنی خصوصی طرز کو تراشا، بعض نئے شعری طور طریقے ایجاد کیے، اپنی پسندیدہ لفظی ترکیبوں، شعری پیکروں، تشبیہوں اور استعاروں کو نمایاں کیا اور اپنی شاعری کو زندگی کے نئے تجربوں سے مالا مال کیا۔''[۳]

اسیری کی نظموں اور غزلوں میں فیضؔ کا منفرد خصوصی رنگ نکھر گیا۔ ان پر جو مہر لگی وہ آئندہ بھی فیضؔ کی شناخت ثابت ہوئی؛ خود شاعر کو بے شک اس کی آگہی تھی اور دستِ صبا کی ایک غزل کا مقطع اس بات کا ثبوت ہے۔ بقول شاعر:

ہم نے جو طرزِ فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیضؔ، گلشن میں وہی طرزِ بیاں ٹھہری ہے

شاعر، جس نے ایک انقلابی کی حیثیت سے خود اپنی زندگی کو ایک نغمے میں ڈھال لیا اور اپنے نغمے کو جدو جہد کا ایک موثر ہتھیار بنا لیا، وہ اپنی شاعری، اپنی سیاسی تحریروں اور ایک پرخلوص انقلابی کی حیثیت سے اپنی سرگرمیوں کے ذریعے اپنے خاص مشن کی جدو جہد میں مصروف رہے۔ اس سلسلے میں الیگزنڈر سُرکوف بتاتے ہیں:

> ''رجعت پسند؛ اس باکمال شاعر کی قوتِ صداقت اور توانائی الفاظ سے خوف زدہ تھے چناں چہ عذابِ تنہائی اور جبری بیکاری کا شکار بنانے کے لیے منٹگمری اور حیدر آباد کی جیلوں میں فیضؔ کی اسیری پانچ سالوں پر مشتمل تھی لیکن شاعر کے زندہ اور حیات پرور دل کی دھڑکنوں پر سنگلاخ زنداں کی تاریک رات غالب نہ آ سکی اور نہ ایامِ اسیری کی بے حِس اور جامد خاموشی ان کے نغموں پر کوئی مُہرِ سکوت ثبت کر سکی۔''[۴]

زنداں کی سنگین دیواروں میں سے بھی ان کے حوصلہ مند دل سے وہ نغمے بے تاب ہو کر نکلتے رہے جو عوام، زندگی اور مادرِ وطن کی محبت سے لبریز تھے۔ اس اسیری نے فیضؔ کو مایوس کیا نہ جھگڑالو بنایا؛ اس غم خانے میں فیضؔ نے انسانیت، تہذیب، حسن اور عشق کی شمع روشن رکھی۔ دونوں نے زندگی کی حسین نعمتوں، لطیف یادوں، پُر کیف لذتوں کو دھندلا اور کمزور نہیں کیا؛ انھیں خواب و خیال کا ایک ہالہ دے کر مزید حسین اور دل آویز بنا دیا۔ فیض احمد فیضؔ اپنے ایک انٹرویو میں مظفر اقبال کو جیل کی آزادی اور فراغت کے حوالے سے بتاتے ہیں:

> ''باہر کی دنیا اور زیادہ نزدیک ہو جاتی ہے یا بہت دور ہو جاتی ہے اور دونوں طرح کے عمل

ہوتے ہیں۔ پھر ہم تو سمجھتے ہیں کہ جیسی آزادی جیل خانے میں ملتی ہے ذہنی طور سے وہ باہر نہیں ملتی۔ اس لیے باہر آپ روز مرہ کی الجھن اور جھنجھٹ میں الجھے ہوتے ہیں، اس طرح پورے کینوس کو دیکھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس طریقے سے جیل خانے میں ذہن زیادہ کُھل جاتا ہے۔''۵؎

فیضؔ کے قید کے کلام کی جو اہم خصوصیت ہے وہ بنیادی جذبات کے امتزاج سے منسلک ہے، جن میں ایک تو ''اسیری کا رنج وغم'' ہے اور دوسرا ''حب الوطنی'' کا شدید جذبہ۔ فیضؔ کے مطابق یہ جذبہ وطن کے روشن مستقبل کی خاطر جدو جہد سے ہم کنار ہونے اور اپنے وطن کے ساتھ خود اپنی تقدیر کی غیر منقسم وابستگی کے احساس کے مترادف ہے۔ ویسے تو فیضؔ کی شاعری کے کئی رنگ ہیں۔ سابق میجر محمد اسحاق زنداں نامہ کے دیباچے میں بعنوان ''رودادِ قفس'' میں فیضؔ کی حبسیہ شاعری میں چار رنگوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

''میرے ذہن میں فیضؔ صاحب کی جیل کی شاعری کے چار رنگ ہیں یا چار موڑ کہہ لیجیے۔ پہلا رنگ سرگودھا اور لائل پور کی جیلوں میں ان کی تین مہینوں کی قیدِ تنہائی کا ہے؛ وہ بہت مشکل دن تھے۔ کاغذ، قلم، دوات، کتابیں، اخبار سب چیزیں ممنوع تھیں۔ انھوں نے اس طرف اشارہ بھی کیا ہے:

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

ان کی شاعری کا دوسرا رنگ حیدرآباد کا ہے۔ یہاں انھیں ہر طرح کا جسمانی آرام جو جیل میں ممکن ہوسکتا ہے، میسر تھا۔ ''گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے'' کی سی حالت تھی کہ ظاہری آرام و آسایش کے پردے میں ہزاروں حسرتوں کا خون اور لاکھوں تمناؤں کا قبرستان تھا۔ ان کے خلاف کئی تعزیری دفعیں ایسی لگی ہوئی تھیں جن کی سزا موت تھی، بقول شاعر:

مقام؛ فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

تیسرا رنگ کراچی کا ہے؛ جہاں فیضؔ صاحب دو ماہ کے لیے مقیم رہے۔ دراصل یہ رنگ دوسرے اور چوتھے کی درمیانی کڑی ہے۔ کراچی ہسپتال میں فیضؔ صاحب جیل کی نسبت قدرے آزاد فضا میں رہے۔ دوستوں کے ساتھ بغیر کسی قباحت کے ملاقات ہو جایا کرتی تھی؛ وہاں انھیں بہ وجوہ آزادی کی نعمتوں کا شدت سے احساس ہوا۔ اس شدید احساس کے بعد جب وہ منٹگمری آئے تو قید کا احساس اور بھی شدت پکڑ گیا جو اُن کی شاعری میں ظاہر ہوا۔ اسی لیے انھوں نے

کراچی اور منٹگمری میں لکھی ہوئی غزلوں اور نظموں کے مجموعے کا نام زنداں نامہ تجویز کیا ہے۔ فیضؔ صاحب کی جیل کی شاعری کا چوتھا رنگ منٹگمری کا ہے؛ یہاں انھیں کم و بیش حیدرآباد کی سہولتیں میسر تھیں۔ جیل کے اربابِ اقتدار بھی نیک دل لوگ تھے جو جیل کے قواعد وضوابط سے سرِ مو انحراف نہ کرنے کے باوجود ان کی دل شکنی نہیں ہونے دیتے تھے۔ فیضؔ کو پھول بہت پسند تھے۔ انھوں نے ولایت سے اپنے ایک دوست کے ذریعے پھولوں کے بیج منگوائیاور کہتے تھے کہ پھولوں سے جیل میں خوب جی بہلتا ہے اور آدمی قید کا ایک ایک دن گننے کی بجائے موسم گننے لگتا ہے جو طویل قید میں بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔''[۶]

فیضؔ کی اسیری کے پہلے تین مہینوں میں تخلیق کردہ شاعری کے حوالے سے ان کی جو پہلی تخلیق وجود میں آئی وہ تھی ''طوق و دار کا موسم'' جسے پروفیسر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے نظم نما غزل قرار دیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

روش روش ہے وہی انتظار کا موسم
نہیں ہے کوئی بھی موسم، بہار کا موسم
خوشا نظارۂ رخسارِ یار کی ساعت
خوشا قرارِ دلِ بے قرار کا موسم
نصیب صحبتِ یاراں نہیں تو کیا کیجیے
یہ رقصِ سایۂ سرو و چنار کا موسم
یہ دل کے داغ تو دکھتے تھے یوں بھی پر کم کم
کچھ اب کے اور ہے، ہجرانِ یار کا موسم
یہی جنوں کا، یہی طوق و دار کا موسم
یہی ہے جبر، یہی اختیار کا موسم

صبا کی مست خرامی تہِ کمند نہیں
اسیرِ دام نہیں ہے بہار کا موسم

فیضؔ کے ہاں لفظی ترکیب ''طوق ودار'' مجموعی طور پر اپنے زمانے کا اور خصوصی طور پر اسیری کا اور سیاسی قید کا استعارہ بن چکی ہے۔ اس غزل میں موجود انتظار کا موضوع دوسرے تمام اشعار کو اپنی گرفت میں لے کر ایک نئی طرح کا پس منظر بنا دیتا ہے؛ جس میں واقعات رواں دواں ہیں اور انتظار کی کیفیتیں بدلتی جاتی ہیں۔ غزل میں روایتی لفظیات سے کام لیا گیا ہے لیکن الفاظ کے معانی پر نئے زمانے کا رنگ لگ چکا ہے مثلاً جنون سے مراد عشق کی دیوانگی نہیں بل کہ نصب العین سے وفاداری اور موجودہ نظام کے خلاف احتجاج ہے۔ یہاں قفس، کوئی مجرد اسیری یا کوئی خیالات نہیں جو وصالِ یار کی راہ میں حایل ہیں، بل کہ ایک معمولی جیل خانہ ہے اور جبر واضح طور پر محبوب کی

ایذا رسانی نہیں بل کہ خالص سیاسی مفہوم کا استعارہ ہے۔ خود محبوب گوشت پوست کی ایک خاتون بھی ہوسکتی ہے اور آزادی کا اور وطن کا علامتی پیکر بھی۔ غزل کی ردیف جو شعر کی اٹھان میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے وہ ؟؟''موسم'' ہے جو کئی معنوں کا حامل ہے (رُت، سماں، وقت، موقع، زمانہ، فصل)۔ بنیادی طور پر موسم سے ایسے وقت کا تصور وابستہ کیا جاتا ہے جس کی حدود متعین ہوں۔ فیضؔ کے کلام میں لفظ موسم اکثر ملتا ہے اور خاص طور پر 'حبسیہ شاعری' میں۔ جیل میں اگر وقت کی رفتار کو دن رات کے حساب سے نہیں بل کہ موسم یعنی فصل کے حساب سے دیکھا جائے تو شاید نفسیاتی طور پر وقت کی رَو زیادہ تیز معلوم ہوتی ہوگی۔ زیرِ نظر غزل میں فیضؔ کی انفرادیت پوری طرح ثابت ہوئی ہے۔ غزل کے اشعار کا اطلاق بڑی صحت سے کسی ایک حقیقی صورتِ حال پر کیا جا سکتا ہے:

> ''غزل پڑھتے وقت ہم عصر قاری کو جسے فیضؔ کے کلام سے واقفیت ہو؛ فیضؔ کے کئی دوسرے اشعار سے تلازمۂ خیال پیدا ہوگا یا جیل سے فیض کے خطوط کی سطریں ضرور یاد آئیں گی۔ مثال کے طور پر غزل کے فقرے ''رقصِ سایۂ سرو و چنار'' میں جیل کی صبح و شام کی تصویر کشی کا موازنہ کریں جب ''سب پودے ہوا کی لے پر رقص کرنے لگتے ہیں یا پھر روش، انتظار اور تنہائی کی راہ گزر کو لیں جو ''تھک گئی رستہ تک تک کے'' اسی طرح ''کم کم دکھنے والے داغِ دل'' کا موضوع لیں اور دیکھیں جیسے ''اور کچھ دیر نہ گزرے، شبِ فرقت سے کہو، دل بھی کم دُکھتا ہے، وہ یاد بھی کم آتے ہیں۔'' شبِ فرقت میں دل دُکھنا اُردو شاعری میں بہت پرانی بات ہے لیکن جیل میں شاعر کو زندگی کا جو نیا تجربہ میسر ہوا، وہ شاعرانہ تصور کو ایک نئے موڑ پر لایا۔ روایتی شاعری میں شبِ فراق کے لیے غمِ معشوق کا عروج ہوتا ہے، فراق کی رات کو محبوب کا تصور عاشق کا دل بہلاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ اس کے لیے یہ واقعی راحت کی گھڑی ہے۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ فراق میں محبوب کا تصورِ غم اس قدر عزیز ہو جاتا ہے کہ اس کے مقابلے میں خود محبوب کی یاد مدہم پڑ جاتی ہے۔''[۷]

لایل پور کی قیدِ تنہائی میں فیض نے ''طوق و دار کا موسم'' کے بعد ایک اور غزل کہی۔ اس میں خوب صورت اور نہایت عمدہ طریقے سے شاعر کے دل کی کیفیت، زمانے اور ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ غزل کے اشعار عصری مزاج سے اور خود فیض کی زندگی کے واقعات سے اس قدر پیوست ثابت ہوئے کہ اس میں کوئی سماجی یا سیاسی ظاہری پہلو نہ ہونے کے باوجود غزل کا سیاسی رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ اس غزل کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

تم آئے ہو، نہ شبِ انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے
ہوئی ہے حضرتِ ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرِ کوئے یار گزری ہے

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے
نہ گل کھلے ہیں، نہ ان سے ملے ، نہ مئے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے

اس غزل کے نظام کا معنویاتی مدار، موضوعِ عشق کے زمرے کے روایتی الفاظ پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق ہر شعر سے ہے ۔ انتظار، جنون، ناصح، فسانہ، گل، بہار، مئے ،گل جبیں، قفس، پوری غزل میں خود لفظ عشق یا اس کا کوئی مترادف ایک بار بھی استعمال نہیں ہوا لیکن مذکورہ بالا الفاظ کے مدار کی بدولت پوری غزل اسی جذبے سے بھرپور ہے ۔ قیدِ تنہائی کے زمانے کی تیسری اور چوتھی غزل کے رنگ کا بھی وہی مزاج ہے ۔ ان میں شاعر؛ جانے پہچانے مضامین کو نت نئے موڑوں پر لا کر مزید شاعرانہ تجربے کرتا ہے اور شعری پیکر تراشنے کی کوشش کرتا ہے ۔ مثال کے لیے ایک اور غزل کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

شفق کی راکھ میں جل بجھ گیا ستارۂ شام
شبِ فراق کے گیسو فضا میں لہرائے
صبا نے پھر درِ زنداں پہ آکے دی دستک
سحر قریب ہے ، دل سے کہو نہ گھبرائے

یہاں بھی موضوعات اور شعری پیکر نئے نہیں ہیں۔ شبِ فراق، لا متناہی انتظار، زنداں، صبا، امید کی کرن تاریک زنداں کو منور کرتی ہیں اور امید دلانے والا کردار فیض کا پسندیدہ پیکر 'صبا' متعدد جگہوں پر اشعار میں دکھائی دیتا ہے ؛ مزید چوتھے رنگ کی غزل میں بھی محبوب کی یاد، وطنِ عزیز کی فکر، قیدی کا حالِ دل شاعر کی توجہ کے مرکز ہیں لیکن اب غزل کے اہم کردار عاشق کا روایتی رویہ بدل جاتا ہے ۔ مثلاً:

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمھیں یاد کرنے لگتے ہیں
صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکرِ وطن
تو چشمِ صبح میں آنسو ابھرنے لگتے ہیں

فیض کی حسیات میں معاشرہ، سماج اور سیاسی زندگی سے وابستہ موضوعات انسانی جذبات کے آئینے میں منعکس ہوتے ہیں۔ واقعات اور محبت کی خوشبو سے معطر فضا بھی ان کی شاعری میں رچی بسی محسوس ہوتی ہے ۔ فیض کے سب سے حقیقت پسند اشعار میں بھی رومانیت کی بھینی بھینی خوشبو ضرور محسوس کی جائے گی اور ان کے رومانی موضوعات ناگزیر طور پر اصلیت سے ہم کنار نظر آئیں گے ۔ ایک رومانی شخصیت کے لیے تنہائی ایک نعمت ہے اور فرد کی آزادی کی ہم معنی ہے ۔ تنہائی وجود کے پُراسرار حقائق کے ادراک، خود آگاہی اور اصلاحِ نفس وغیرہ میں مددگار ثابت ہوتی ہے ۔ فیض احمد فیض کی ایک نظم ''تنہائی'' بھی ہے جس کا مفہوم مختلف ہے اور جذبہ ایک ایسے فرد کی نفسیاتی کیفیت

سے جڑے ہوئے رومانی مزاج جیسا ہوسکتا ہے۔نظم ''تنہائی'' ملاحظہ فرمائیں:

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں
راہ رو ہو گا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزار
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں ، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں ، کوئی نہیں آئے گا

نظم میں تنہائی کا احساس بڑی شدت سے موجود ہے کیوں کہ اس بات کا باعث انتظار کا اتنا ہی شدید جذبہ ہے ۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انتظار کے اس جذبے نے تاروں سے لے کر زمین تک ساری کائنات کو اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور شاعری کے اس مختصر سے شاہکار میں شاعر کا تخلیقی عمل اور جوش وخروش کا کوئی سرچشمہ مجتمع ہو گئے ہوں۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

> ''میں نے نظم کا مطالعہ شروع کیا تو پہلی ہی لائن نے مجھے پکڑ لیا، پھر جیسے جیسے میں آگے بڑھا، ایک عجیب پراسرار سی کیفیت نظم سے برآمد ہو کر مجھے اپنے طلسمی ہالے میں جکڑتی چلی گئی۔نظم ختم ہوئی تو میں بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں وہ نہیں ہوں جو اس نظم کے مطالعے سے پہلے تھا۔''[۸]

پہلے کی طرح آج بھی فیض کی شاعری کے غیر معمولی اثرات کے رموز، محققوں اور نقادوں کے لیے باعثِ مطالعہ رہتے ہیں۔فیض؟ کی 'حبسیات' پر یہ کہنا باقی ہے کہ جب مقید شاعر کے اشعار جیل سے باہر نکل کر عوام تک پہنچ جاتے تھے تو وہ ان کو اس بات پر غور کرنے کی دعوت دیتے تھے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟ یہ بدی کہاں ہے؟ جیل خانے میں مقید ہے یا دنیا میں گھومتی پھرتی ہے ۔فیض کی شاعری انسان کو اپنے گھر کی چاردیواری سے نکل کر دنیا کے غموں کی بھی فکر کرنے پر مجبور کرتی ہے ۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر لدمیلا وسیلیوا، پرورشِ لوح و قلم: فیض، حیات اور تخلیقات، مترجمہ ڈاکٹر لدمیلا اور اسامہ فاروقی، اسلام آباد: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۶ء، ص ۲۰۵

۲۔ فیض احمد فیض، دستِ تہِ سنگ، لاہور: مکتبہ کارواں، س ن، ص ۱۷

۳۔ سلمیٰ صدیقی، صابردت، مرتبین، فیض احمد فیض: شخصیت اور فن، لاہور: کلاسیک، مارچ ۱۹۹۳ء، ص ۹۲
۴۔ الیگزنڈر سرکوف، ''ایک حوصلہ منددل کی آواز'' مترجمہ سحر انصاری، مشمولہ سرِ واد یِ سینا، فیض احمد فیض، کراچی: مکتبہ دانیال، جون ۱۹۷۵ء، ص ۲۲
۵۔ مظفر اقبال، ''فیض سے مکالمہ'' مشمولہ باتیں فیض سے، مرتبہ شیما مجید، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص ۹۰
۶۔ محمد اسحاق، ''رودادِ قفس''، مشمولہ زندان نامہ، فیض احمد فیض، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۸۶ء، ص ۳۳
۷۔ ڈاکٹر لدمیلا وسیلیوا، ''پرورشِ لوح و قلم: فیض، حیات اور تخلیقات''، ص ۲۱۲
۸۔ شاہد ماہلی، مرتب، فیض احمد فیض، لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص ۸۷